پاکستان میں متجددانہ رجحانات کاپس منظر: تعارفی مطالعہ

Background of Modern Trends in Pakistan: An Introductory Study

*محمد شہباز
**ڈاکٹر محمد شہباز منج
***ریاست علی

Abstract

This article deals with the modern trends in the interpretation of Islamic texts in Pakistan. It argues that the modern interpretation was laid down by Mufti Muhammad Abduh in the Arab world and by Sir Syed Ahmad Khan in Ido-Pak subcontinent. In Indo-Pak subcontinent, Following Sir Syed Ahmad Khan, many other people like Maulvi Chirag Ali, Mumtaz Ali, Syed Amir Ali, Muhammad Ali Lahori, Abdullah Chakralvi, Niaz Fatehpuri, Ghulam Ahmed Parvez etc. adopted the same way of thinking and interpretation. By the literature of such kind of people, modern trends in the interpretation of Islam began to emerge more widely in Pakistan.

Keywords: Modern trends, Pakistan, background, Abduh, Sir sayyid Ahmad Khan

استشراقی افکار وخیالات کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اہل استشراق نے کوشش کی کہ مسلمانوں کو بدلنے کی بجائے انھیں تجدد و مغربیت اور اصلاحِ مذہب کی دعوت دی جائے۔ اپنے بنیادی عقائد و نظریات سے متعلق متردد و متشکک بنایا جائے۔ اس ضمن میں مشہور مسیحی مبشر سموئل زویمر کے یہ الفاظ چشم کشا ہیں: ہم نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے کثیر وقت اور سرمایہ صرف کیا، بے شمار کتابیں تصنیف کیں، لیکن ہمیں کچھ حاصل نہ ہوا۔ اسلام سے صرف انھی لوگوں نے رابطہ توڑ کر

---

*پی ایچ ڈی سکالر اسلامیات، یونی ورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا
**اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات، یونی ورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا
***پی ایچ ڈی سکالر اسلامیات، یونی ورسٹی آف گجرات، گجرات

مسیحیت اختیار کی، جن کی اپنے نئے دین سے محبت خواہشات کی بنیاد پر تھی۔ تاہم اس ناکامی پر عیسائی مبشرین کو مایوس اور ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ تمھارے لیے یہ کافی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی عقیدے کو متزلزل کر دو۔ اگر تم ان کو اسلام کے متعلق متذبذب بنانے میں کامیاب ہو گئے، تو یہی تمھاری کامیابی ہے، خواہ مسلمان عیسائیت کے حلقے میں داخل نہ ہوں[1]

زیرِ نظر تناظر میں اہلِ مغرب اور مستشرقین کی کاوشوں سے متعلق مریم جمیلہ (1934ء-2012ء) رقم طراز ہیں:

> Since the second world war, the Orientalists and missionaries have shifted their efforts from trying to change individual Muslims and convert them to their views to changing Islam itself through providing it with a totally different interpretation and launching an organized movement for its reconstruction from within[2].

دوسری جنگ عظیم کے بعد مستشرقین اور مشنریز نے اپنی توجہ مسلمانوں کو بدلنے کی بجائے خود اسلام کو بدلنے پر مرکوز کی۔ انھوں نے مسلمانوں ہی کو اسلام کی ایک بالکل نئی تعبیر کرنے اور اسے از سر نو ترتیب دینے پر آمادہ کرنے کی غرض سے ایک تحریک شروع کر دی 1913ء میں لکھنو میں منعقد ہونے والی تبشیری کانفرنس کا فیصلہ بھی مسلمانوں کو بدلنے کی استشراقی و تبشیری کوششوں سے متعلق اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے۔ اس فیصلے میں قرار دیا گیا تھا کہ مسلمانوں کے اندازِ فکر و نظر کو مغربی رنگ میں رنگنے کی کوشش کی جائے۔ مغربی زبانوں کی ترویج کی جائے تاکہ مسلمان مغربی ادب و تہذیب سے واقفیت حاصل کر کے اس کی طرف مائل ہوں۔ تبشیری کام کرنے والے افراد اسلامی فکر کو ختم کرنے کے لیے کام کریں۔ مسلمان اب مسیحیت تو اختیار نہیں کریں گے، انھیں اسلامی تہذیب و اقدار سے دور و نفور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے نتیجے میں ان کے اندر موجود روحِ دین و مذہب کا خاتمہ ہو جائے گا، جس کا بحال ہونا ناممکن ہو گا۔ حصولِ مقصد کے لیے ضروری ہے کہ تبشیری سکولوں کی تعداد بڑھائی جائے اور مغربی تعلیم کو مغربی زبانوں اور انداز فکر و نظر کے ساتھ مسلمانوں میں فروغ دیا جائے، یہاں تک کہ ان کے مدارس اور رسائل و اخبار مغربی اندازِ فکر و نظر کے حامل ہو جائیں۔

مستشرقین اہلِ اسلام کو تجدد و مغربیت اور اصلاحِ مذہب کی دعوت دیتے اور انھیں یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی فلاح و ترقی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ وہ جدید مغربی تہذیب اپنائیں اور اپنے مذہب کو نئے حالات کے مطابق ڈھالیں۔ ان کے نزدیک مسلم معاشروں میں اٹھنے والی ایسی تحریکیں اور اشخاص حوصلہ افزائی اور تعریف و ستائش کے مستحق ہیں، جو اسلام کو مغربی تصورات کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض یونی ورسٹیوں کے ذمے باقاعدہ طور پر ایسے

---

[1] محمد الدھان، قوی الشر المتحالفه وموقفھا من الاسلام والمسلمین (القاھرہ: دار الوفا للطباعة والنشر المنصورہ، ب ت)، 136۔

[2] Maryam Jamīla, *Islam and Orientalism* (Lahore: Sant Nagar, 1971), XXIII.

اسلامسٹ تیار کرنے کا کام لگایا گیا ہے، جو اسلام سے متعلق جدید افکار کے حوالے سے سمجھوتے کی فضا پیدا کریں۔ یہاں کچھ مستشرقین کے خیالات پیش کر کے یہ دکھانے کی کوشش کی جائے گی اس ضمن میں استشراقی مساعی کس نوعیت کی ہیں: فلپ کے ہٹی نے لکھا ہے کہ اسلامی قوانین مثلاً تعدد ازواج، چوری، جوا اور شراب وغیرہ کی سزائیں جدید اسلامی معاشرے میں ناقابلِ عمل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ان پر عمل نہیں کیا جارہا:

Modern Islamic society has practically outgrown the Koranic legislation[3].

جدید مسلم سوسائٹی نے قرآنی قوانین میں دلچسپی لینا عملاً ترک کر دیا ہے۔

کینتھ کریگ(Albert Kenneth Cragg، 1913ء–2012ء) کہتاہے کہ اسلام کو اپنی روح میں تبدیلی پیدا کرنی چاہیے، ورنہ وہ نئی زندگی کا ساتھ نہ دے سکے گا:

The modern mind is right in its instinctive awareness that Islam must either baptize change into its spirit or renounce its own relevance to life. Since it cannot do the later it must somehow do the former[4].

جدید ذہن اپنی اس فطری آگہی میں بالکل درست ہے کہ اسلام کو یا تو اپنی روح میں تبدیلی پیدا کرنی ہے یا زندگی سے اپنی مطابقت کو ترک کرنا ہے۔ جب تک یہ دوسرا کام نہیں کرتا، پہلا کرنا ہی پڑے گا۔ ایس ڈی گوشن(Shelomo Dov Goitein، 1900ء–1985ء) کا کہناہے کہ اسلام یہودیت سے مستعار ہے، قرآن جدید سوسائٹی کی ضرورت کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ گوشن یہودیوں کے مسلمانوں پر تشدد کا جواز بھی تراشتا ہے۔ اس کے مطابق یہودیوں کے ساتھ جو زیادتیاں ہوئیں یہودیوں کا مسلمانوں پر ظلم اس کا بدلہ ہے؛ سنگ دل اور منتقم ہونا اہلِ فخر و شرافت کی علامت ہے۔[5] مستشرقین ان مسلم سکالرز کی تعریف و توصیف کرتے ہیں، جن کے ہاں اسلام کی تجددپسندانہ تعبیر ملتی ہو اور جن کے افکار سے اسلام کا مقدمہ کمزور اور مغرب کا مضبوط نظر آئے، یا ایسا دکھایا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مستشرقین کے نزدیک پاکستان اپنی صورت میں جتنا اسلامی ہو گا (خاص طور پر بنیادی مادی عناصر کے بغیر) ہندوستانی مسلمان اتنے ہی زیادہ غیر محفوظ ہوتے جائیں گے۔ استشراقی فکر کے حاملین اسلام کو ناقابل عمل اور غیر حقیقی ظاہر کرتے ہیں وہ اسلام کی بجائے فرعونیوں کی تقلید پر ابھارنے اور مصر میں نئے معتقدات اختیار کرنے اور پرانے اسلامی تصورات کو چھوڑنے کی ضرورت پر زور دینے والے ہیں۔ جن کے افکار و طرز عمل سے اسلام کی حقانیت و آفاقیت متاثر ہوتی ہے۔ کینتھ کریگ نے اسی تناظر میں کہا تھا کہ مسلمان وقت کے مطابق اسلامی احکام میں از

---

[3] Philip. K Hitti, Islam and the west (New Jersey: Princeton, 1962), 21

[4] Kenneth Cragg, The call of Minaret (New York: Oxford University Press, 1956), 17-

[5] Goitain, Jews and Arabs, 232.

خود تبدیلی کرتے رہے ہیں، جس سے ایک طرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام کوئی مستقل دین نہیں تو دوسری طرف یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام کو ضرورت کے تحت تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ ان کی سر توڑ کوشش ہے کہ اسلام کے چہرے کو بد نما بنا کر دکھایا جائے۔ اسلامی ممالک کے وہ زعما اور قائدین جنھوں نے یورپ کی بڑی بڑی یونی ورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی یا اسلام کا مطالعہ مغربی زبانوں میں کیا، ان کے دلوں میں اسلامی قانون و تہذیب کے سر چشموں سے متعلق شکوک و شبہات پیدا کیے جائیں اور ان کے دلوں میں اسلام کے مستقبل سے ناامیدی، حال سے بے زاری اور ماضی سے بدگمانی اس طرح پیدا کی جائے کہ ان کا سارا جوش و خروش دین کو عصری تقاضوں کے مطابق ڈھالنے اور اسلامی قانون میں اصلاح و ترمیم کی مہم چلانے میں منحصر ہو کر رہ جائے۔ مستشرقین نے تجدد و اصلاحِ مذہب کے نام سے مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے کے لیے جس تحریک کا آغاز کیا تھا اس کے اثرات ظاہر ہو کر رہے۔ ہر مسلم ملک میں پڑھے لکھے لوگوں کا خاصا بڑا گروہ پیدا ہوا، جنھوں نے انھی کے خیالات کو بنیاد بنا کر اسلام کا مطالعہ کیا اور انھی نتائج پر پہنچے، جو مستشرقین کو مطلوب تھے۔ اس گروہ کے اذہان میں اسلام کی قدر و منزلت کم ہو گئی ہے۔ یہ اپنے مذہب سے کٹ رہا ہے۔ یہ سمجھنے لگا ہے کہ اسلام میں اصلاح اور تجدد و تبدیلی سے منہ موڑا گیا، تو اسلام جدید دور کے لیے قابلِ عمل نہیں رہے گا۔ اس فصل میں اہم ایسے ہی چند مذہبی سکالرز کا تذکرہ کرتے ہیں جنہوں نے تجدد کا راستہ اختیار کرتے ہوئے، اہل اسلام کے متفقہ مسائل اور جمہور فقہاء کے اجماع کے خلاف اسلام کی تعبیر پیش کرنے میں ایک متجددانہ راستہ اختیار کیا ہے۔[6]

سید جمال الدین افغانی-م1897ء

سید جمال الدین افغانی مشہور قول کے مطابق 1838ء کو ایران میں ہمدان کے قریب 'اسد آباد' میں پیدا ہوئے، موصوف نے ایک شیعہ مسلم کے طور پر اپنا بچپن گزارا۔ ان کے والد سید صفدر حسینی سادات میں سے تھے آپؒ نے ابتدائی تعلیم ایران کے شہر 'قزوین' میں حاصل کی۔ پھر اعلی تعلیم کے لیے تہران اور اس کے بعد عراق کا سفر کیا۔ ان کے مشائخ میں اکثر و بیشتر شیعہ علماء (مثلاً آغا خان صادق، شیخ مرتضیٰ، قاضی بشر، حافظ دراز اور حبیب اللہ قندھاری وغیرہ) شامل ہیں جن کی وجہ سے خود موصوف کے شیعہ ہونے کا بھی رجحان غالب ہے تاہم بعض اسکالرز کے نزدیک آپؒ حنفی سنی ہیں۔ جنگ آزادی کے سال یعنی 1857ء میں موصوفؒ دہلی میں تھے پھر حج کی ادائیگی کے بعد 1858ء میں افغانستان منتقل ہو گئے۔ وہاں افغانی بادشاہ دوست محمد خان کے مشیر خاص بن گئے اور اس کے بعد اگلے حکمران محمد اعظم کے بھی مشیر رہے۔ انہوں نے افغانی حکمران دوست محمد خان کو برطانیہ کی نسبت روس سے تعلقات قائم کرنے کا مشورہ دیا جس کی وجہ سے برطانوی حکومت ان کے خلاف ہو گئی اور ان کو روسی جاسوس قرار دیا۔ 1868ء میں کابل پر شیر علی خان کے قبضے کے بعد سید جمال الدین افغانی کو افغانستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ 1871ء میں انہوں نے مصر کا رخ کیا اور سیاسی اصلاح کا نظریہ عام کرنا شروع کر دیا[7]۔ انہوں نے نوجوانوں کی ایک

---

[6] ڈاکٹر محمد شہباز منج، فکر استشراق اور عالم اسلام میں اس کا اثر و نفوذ (لاہور: القمر پبلی کیشنز، 2016ء)، 177۔

[7] ڈاکٹر حافظ محمد زبیر، تحریک تجدد اور متجددین (لاہور: دار الفکر الاسلامی، 2017ء)، 19۔

خاصی بڑی تعداد کو اپنے افکار و نظریات سے متاثر کیا جن میں سے نمایاں نام مفتی محمد عبدہ کا ہے۔ ان پر شدت پسندی کا الزام لگا کر انہیں 1879ء میں مصر سے نکال دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے استنبول، لندن، پیرس، ماسکو، سینٹ پیٹر برگ اور میونخ وغیرہ کا سفر کیا۔ 1884ء میں انہوں نے پیرس میں "عروۃ الوثقیٰ" کے نام سے ایک عربی اخبار کا اجرا کیا۔ سید جمالک الدین افغانی کی جملہ تقاریر اور تحریروں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دعوت درج ذیل چار نکات کے گرد گھومتی تھی اور یہی نکات ان کی دعوت کا مرکز و محور تھے اسلامی ممالک پر مغربی تسلط کے غلبے پر تنقید، مسلم ممالک کے باہمی اتحاد واتفاق کی تحریک، مسلمانوں میں جدید مغربی سائنسی علوم کے حصول کی رغبت پیدا کرنا۔ ایک ایسے ادارے کے قیام کی کوشش جو اسلام کو ایک مضبوط طاقت بنادے۔ آپؒ کی 9مارچ 1897ء کو استنبول میں وفات ہوئی اور وہیں ان کی تدفین ہوئی۔ 1944ء میں افغان حکومت کی درخواست پر ان کی باقی ماندہ اشیاء کابل یونی ورسٹی میں منتقل کر دی گئیں جہاں ان کے لیے ایک مقبرہ بھی تعمیر کیا گیا۔[8] ان کے نمایاں رجحانات میں سے یہ ہیں:

نبوت کسبی کے حامی تھے، عالم کے قدیم ہونے اور محرک اول کے وجود کے قائل تھے۔ نظریہ وحدت الوجود کے حامی تھے، شیعہ سنی اتحاد کے داعی تھے۔ تمباکو نوشی اور معمولی شراب کے پینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ قرآنی آیات کی سائنسی تعبیر و تشریح کے حامی تھے۔[9]

مفتی محمد عبدہ-م1905ء

محمد بن حسن بن خیر اللہ المعروف مفتی محمد عبدہ 1849ء کو مصر میں پیدا ہوئے۔ مفتی محمد عبدہ مصری ڈیلٹا کے ایک خاندان سے تعلق رکھتے تھے، محلے کی ایک مسجد میں صرف و نحو کی ابتدائی تعلیم حاصل کی، ان کے بقول تقریبا دو سال کے عرصے میں انہیں نحو کا ایک لفظ بھی سمجھ نہ آیا۔ اس کا الزام وہ مدارس کے قدیم نصاب اور طریقہ تعلیم کو دیتے تھے۔ اور مذہبی تعلیم سے بیزار ہو گئے، پھر تقریبا 17 سال کی عمر میں شادی ہوئی۔ اسی دوران وہ اپنے ایک چچا شیخ درویش کی صحبت میں رہے جو کہ صوفی تھے انہوں نے ان کی روحانی تربیت کی اور انہیں دوبارہ مذہبی تعلیم کی طرف متوجہ کیا اور ان میں اس کا ذوق و شوق بیدار کیا۔ سید جمال الدین افغانی کی قاہرہ آمد پر ان سے ریاضی، فلسفہ اور علم کلام کی تعلیم حاصل کی اور ان کے طریقہ تدریس اور افکار سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہی کے ہو کر رہ گئے[10]۔ 1866ء میں جامعہ ازہر کی تعلیم سے منسلک ہوئے اور 1877ء میں جامعہ ازہر سے شہادۃ العالمیہ کا امتحان پاس کیا۔ 1879ء میں مدرسہ "دارالعلوم" میں مدرس کے طور پر تدریس کا آغاز کیا۔ 1882ء میں انگریزوں کی حکومت کے خلاف احمد عرابی پاشا کے انقلاب میں اپنے استاذ جمال الدین افغانی کے ساتھ شریک رہے۔ اس تحریک کی ناکامی پر جیل بھیجے گئے اور بعد ازاں ان کو زبردستی بیروت بھیج دیا گیا۔ 1884ء میں اپنے استاذ کی دعوت پر پیرس

---

[8] زبیر، تحریک تجدد اور متجددین، 21۔

[9] زبیر، تحریک تجدد اور متجددین، 22۔

[10] منج، فکر استشراق، 119۔

تشریف لے گئے اور "العروۃ الوثقیٰ" کے نام سے ہی ایک خفیہ تحریک کی بنیاد رکھی۔[11] 1889ء میں حکومت کے ساتھ اس معاہدے پر اتفاق کرتے ہوئے کہ آئندہ وہ کسی قسم کا سیاسی کام نہیں کریں گے، مصر واپس آگئے اور انہیں ابتدائی عدلیہ میں جج مقرر کر دیا گیا۔ بعد ازاں انہیں مجلس قانون ساز کا رکن بھی مقرر کیا گیا۔ 1899ء میں ان کو مصر کی حکومت کی طرف سے سرکاری طور پر مفتی عام کا درجہ دے دیا گیا اور وہ مصر کے پہلے مفتی عام تھے۔ 1900ء میں مخطوطات (manusscripts) کی نشرواشاعت کے لیے "جمعیۃ احیاء العلوم العربیۃ" کی بنیاد رکھی۔ 1905ء میں اسکندریہ کے علاقہ میں کینسر کے مرض کی وجہ سے وفات پائی۔ ان کے شاگردوں میں رشید رضا، حافظ ابراہیم، شیخ عزالدین عبدالحمید، سعد زغلول، قاسم امین، محمد لطفی جمعہ اور طٰہٰ حسینؒ وغیرہ شامل ہیں۔ آپؒ کی تصانیف میں واردات، شرح البصائر النصیریہ، مصر میں تعلیم وتربیت کا نظام، رسالہ التوحید وغیرہ) خدمات بھی نمایاں ہیں۔[12] آپ عقل و نقل کے تعارض میں عقل کی ترجیح کے قائل تھے۔ وطنیت کے حامی تھے۔ عورت کے چہرے کے پردے اور تعدد ازواج کے قائل نہ تھے۔ عقیدہ میں خبر واحد کی حجیت کے قائل نہ تھے- قرآنی آیات کی سائنسی و عقلی تعبیر و تشریح کے حامی تھے۔[13]

محمد رشید رضا-م1935ء

محمد رشید بن علی رضا بن محمد شمس الدین بن سید بہاء الدین کی ولادت 1865ء شام کے علاقہ طرابلس کی بستی 'قلمون میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم طرابلس کے مدرسہ رشیدیہ میں حاصل کی، بعد ازاں طرابلس میں ہی مدرسہ وطنیہ اسلامیہ سے منسلک ہوگئے جس کے پرنسپل شیخ حسین الجسر تھے اور یہاں عربی، ترکی اور فرانسیسی میں تعلیم دی جاتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد یہ مدرسہ بوجوہ بند ہو گیا تو رشید رضا نے دوسرے مدارس کا رخ کیا اور شیخ حسین سے بھی ممکن حد تک استفادہ کرتے رہے۔ محمد رشید رضا کی زندگی پر دو اشخاص کے اثرات اور افکار کا غلبہ رہا، ان میں سے ایک تو شیخ حسین تھے اور دوسرے مفتی محمد عبدہ۔[14] موصوف ایک پر جوش داعی اور مبلغ تھے۔ مساجد میں دروس کا اہتمام کرتے تھے اور قہوہ خانوں میں جا کر لوگوں کو تبلیغ کرتے تھے۔ اسی طرح گاؤں کی عورتوں کی دینی تعلیم کے لیے بھی فقہی مسائل کے حلقے قائم کرتے تھے۔ قبر پرستی کے خلاف تھے اور قبروں سے تبرک لینے سے شدت سے منع کرتے تھے۔ اسی طرح ان درختوں کو کاٹنے کا حکم دیتے تھے جس سے عامۃ الناس تبرک حاصل کرتے تھے۔[15] انہوں نے 'المنار' کے نام سے 1898ء میں ایک رسالہ جاری کیا۔ اس کا آخری شمارہ 1935ء شائع ہوا۔ ان کا یہ رسالہ عالم عرب کے علاوہ عالم اسلام اور یورپ کے علمی حلقوں میں بھی بہت معروف ہوا۔ اس رسالہ میں وہ اپنے اور اپنے استاذ

---

[11] چارلس سی آدم، اسلام اور تحریک تجدد مصر میں، مترجم: عبدالمجید سالک (لاہور: مجلس ترقی ادب، 2002ء)، 31۔

[12] چارلس، اسلام اور تحریک تجدد مصر میں، 35۔

[13] محمد عبدہ، الاسلام والنصرینۃ مع العلم والمدنیۃ (قاہرہ: مکتبہ النور، 1922ء)، 55، 54۔

[14] منج، فکر استشراق، 217۔

[15] عبدہ، الاسلام والنصرانیہ مع العلم والمدنیہ، 55۔

مفتی محمد عبدہ کے افکار شائع کرتے تھے۔ اس رسالہ کو انہوں نے بدعات کے خاتمے اور مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنایا۔ 1330ھ میں 'معہد الدعوۃ والارشاد' کے نام سے ایک ادارہ بنایا جس میں تین سالہ تربیتی کورس کے بعد طلبہ کو "مرشد" کا سرٹیفکیٹ دیا جاتا تھا اور انہیں مسلمانوں کی تربیت کی اجازت دے دی جاتی تھی۔ موصوفؒ کی تصنیفی و تالیفی خدمات بھی گراں قدر ہیں جن میں معروف کتب: الحکمۃ الشرعیہ فی محاکمۃ القادریۃ والرفاعیۃ، مجلہ المنار، الوحی المحمدی، المنار والازھر، ذکر المولد النبوی، یسر الاسلام، الخلافۃ، الوھابیون والحجاز، السنۃ والشیعۃ، مناسک الحج، تفسیر المنار، الریا والمعاملات فی الاسلام، مساواۃ الرجل بالمراۃ، رسالۃ فی ابی حامد الغزالی، المقصورۃ الرشیدیۃ، شبھات النصاری و حجج الاسلام، خلاصۃ السیرۃ المحمدیۃ، انجیل برنابا، المسلمون والقبط، عقیدۃ الصلب والفداء، محاورات المصلح والمقلد، فتاوی السید رشید رضا وغیرہ شامل ہیں۔ موصوفؒ کی 1935ء کو وفات ہوئی اور اپنے استاذ مفتی محمد عبدہ کے ساتھ دفن کیے گئے۔[16] ان کے نمایاں رجحانات میں سے قرآن مجید کے احکامات زیادہ دینوی ہیں۔ احادیث بحیثیت مجموعی قابل اعتناء نہیں، معجزات کے منکر تھے۔ صوفیا اور سلاسل صوفیاء کے اعمال واشغال کو بدعت قرار دیتے ہیں۔[17]

طٰہٰ حسین-م1973ء

موصوفؒ 1889ء کو مصر کے علاقہ 'منیا' میں پیدا ہوئے۔ عربی زبان و ادب کی نمایاں شخصیات میں شمار ہوتے ہیں اور 'عمید الادب العربی' کے لقب سے معروف ہوئے۔ آپؒ کی تین سال کی عمر میں نظر ضائع ہوگئی۔ بچپن میں ہی قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔ اس کے بعد جامعہ ازہر سے وابستہ ہوگئے اور وہاں سے مذہب اور عربی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ 1908ء میں قاہرہ یونی ورسٹی سے منسلک ہوگئے اور وہاں قدیم مصری تہذیب، اسلامی تہذیب، جغرافیہ، فلکیات، فلسفہ اور ادب کی تعلیم حاصل کی۔ 1914ء میں اسی یونی ورسٹی سے معروف عربی شاعر ابو العلاء المعری" پر اپنی پہلی پی ایچ ڈی مکمل کی۔ اس کے بعد انہوں نے فرانس کی معروف یونی ورسٹی "ساربونے" سے معروف مؤرخ ابن خلدون کے موضوع پر 1917ء میں اپنی دوسری پی ایچ ڈی بھی مکمل کی اور 1918ء میں مصر واپس آگئے۔ 1919ء میں قاہرہ یونی ورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر مقرر ہوئے۔[18] بعد ازاں مصر میں وزارت تعلیم کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا اکثر و بیشتر تحقیقی کام عربی ادب اور تاریخ پر ہے۔ ان کی معروف کتابوں میں الایام، فی الشعر الجاھلی، اور الادب الجاھلی ہیں۔ اس کے علاوہ کتب اور مقالات میں *القتنۃ الکبریٰ عثمان، القتنۃ الکبریٰ علی وبنوہ، علی ھامش السیرۃ، حدیث الاربعاء، من حدیث الشعر والنثر، مستقبل الثقافۃ فی مصر، ادیب، شجرۃ السعادۃ، الوعد الحق، الشیخان، مع المتنبی اور ذکری ابی العلاء* کے نام سے ہیں۔ 28 اکتوبر 1973ء کو ان کی قاہرہ میں وفات ہوئی۔[19]

---

[16] منج، فکر استشراق اور عالم اسلام میں اس کا اثر و نفوذ، 226۔

[17] رضا، تفسیر المنار، 1:315۔

[18] ڈاکٹر طہ حسین، مستقبل الثقافۃ فی مصر (القاہرہ: دار المعارف 1938ء)، 31، 44۔

[19] حسین، مستقبل الثقافۃ فی مصر، 45۔

1926ء میں طٰہ حسین نے "فی الشعر الجاھلی" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب میں انہوں نے یہ دعوی کیا کہ جاہلی شاعری یا جاہلی ادب اسلام کے ظہور کے بعد مرتب ہوا ہے اور اس کی نسبت ما قبل اسلام دور جاہلیت کی طرف کر دی گئی ہے۔[20] حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے وجود اور بیت اللہ کی تعمیر سے متعلقہ روایات مشکوک ہیں۔[21] قرآن مجید کی سات قراءت کا انکار کرتے ہیں۔[22] نبی کریم ﷺ کے نسب نامہ پر اعتراضات کئے ہیں۔[23] عرب کا اصل دین، دین ابراہیمی نہیں ہے۔[24] عربی زبان و ادب کے نصاب اور طریقہ تدریس پر کڑی تنقید کی ہے۔ عربی ادب اور تاریخ کی حقیقت جانچنے کے لیے مغربی طریقہ تحقیق کو بہترین طریق کار قرار دیا ہے۔[25]

توفیق الحکیم-م1987ء

توفیق الحکیم معروف مصری ادیب ناول نگار اور ڈرامہ نویس ہیں۔ وہ 9 اکتوبر 1898ء کو اسکندریہ کے علاقہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے 1921ء میں اپنی گریجویشن مکمل کی اور اس کے بعد اپنے والد کی خواہش پر قانون کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ 1925ء میں قانون کی تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے بطور وکیل پریکٹس شروع کر دی۔ 1925ء میں ہی ان کے والد نے اپنے سیاسی تعلقات کی بنیاد پر قانون میں پی۔ ایچ۔ڈی کی ڈگری کے حصول کے لیے پیرس میں ان کا داخلہ کروا دیا۔[26] ان کے پیرس جانے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ بعض معاصرین نے جب ان پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے اپنے ڈرامہ 'عودۃ الروح' میں فرعونی مصری تہذیب کی طرف اپنے میلان کا اظہار کیا ہے تو ان کے والد نے ان کو مصر سے فرانس بھیج دیا تاکہ وہ ڈرامہ نویسی کو خیر باد کہہ دیں اور قانون کی تعلیم حاصل کریں۔ لیکن پیرس میں اپنے تین سالہ قیام کے دوران انہوں نے قانون کی تعلیم کی طرف توجہ دینے کی بجائے فرانسیسی سینما اور تھیٹر کے چکر لگانے شروع کیے۔ فرانسیسی، یورپین اور یونانی لٹریچر لوک کہانیوں جنگوں اور ڈراموں کے علوم و فنون اور اصول و ضوابط کا قریب اور گہرائی سے مشاہدہ کیا۔ 1925ء میں وزارت عدل و انصاف میں دوبارہ وکالت کے شعبہ سے منسلک ہو گئے لیکن اس پیشے میں ان کا دل نہ لگ سکا۔ 1934ء میں وزارت تعلیم میں تحقیقاتی کمیٹی کے صدر بن گئے۔ بعد ازاں انہوں نے 1937ء میں موسیقی اور ڈرامہ وغیرہ سے متعلقہ وزارت میں بطور ڈائریکٹر کام کیا۔ 1947ء میں 'دار الکتب المصریۃ' کے مدیر مقرر ہوئے اور 1954ء میں انہیں 'مجمع اللغۃ

---

[20] آدم، اسلام اور تحریک تجدد مصر میں، 369، 370۔

[21] آدم، اسلام اور تحریک تجدد مصر میں، 369، 370۔

[22] ڈاکٹر طٰہٰ حسین، فی الادب الجاھلی (قاہرہ: مطبعۃ فاروق، 1933ء)، 56۔

[23] آدم، اسلام اور تحریک تجدد مصر میں، 369، 370۔

[24] حسین، فی الادب الجاھلی، 55-

[25] حسین، فی الادب الجاھلی، 65-

[26] زبیر، تحریک تجدد اور متجددین، 39۔

العربیۃ' کے لیے بطور رکن منتخب کیا گیا اور وہ تاحیات اس کے ممبر رہے۔ 1956ء میں ثقافت کلچر وغیرہ کی وزارت کے وکیل کے عہدے کے لیے سینٹ کے رکن کے طور پر ان کا انتخاب کیا گیا۔ 1959ء میں پیرس میں یونیسکو تنظیم کے لیے مصری حکومت کی طرف سے مندوب مقرر ہوئے۔ 1960ء میں پھر مصر واپس آگئے اور اپنے سابقہ عہدے پر دوبارہ کام شروع کر دیا۔ بعد ازاں معروف مصری اخبار 'الاھرام' میں بطور مشیر کام کرتے رہے یہاں تک کہ 1971ء میں اس اخبار کی مجلس ادارت کے رکن بھی مقرر ہوئے۔[27] ان کی شہرت کا سبب اصحابِ کہف کے بارے میں ان کا لکھا ہوا ڈرامہ بنا جو 1933ء میں شائع ہوا۔ ان کے ڈراموں میں مصری تہذیب اور تاریخ کو نمایاں کیا گیا ہے چاہے وہ فرعونی و قبطی ہو یا عربی و اسلامی۔ توفیق الحکیم جدید عربی ادب کے ستونوں میں سے طٰہٰ حسین، عباس عقاد، احمد امین، سلامہ موسیٰ، احمد شوقی اور حافظ ابراہیم وغیرہ کے ہم عصر تھے۔ ان کی وفات 26 جولائی 1987ء میں ہوئی، انہوں نے تقریبا 90 سال کی عمر پائی۔ توفیق الحکیم کا اصل اور زیادہ تر کام مصری ڈرامہ اور افسانہ پر ہے۔ انہیں مصر کا سب سے بڑا ڈرامہ اور افسانہ نویس شمار کیا جاتا ہے۔ ان کے معروف ڈراموں میں *اھل الکھف، شھرزاد، مشکلۃ الحکم، بجمالیون، سلیمان الحکیم، الملک او ادیب، الایدی الناعمۃ الصفقۃ* اور *لعبۃ الموت* ہیں۔ ان کے معروف ناولوں میں *عودۃ الروح، عصفور من الشرق، حمار الحکیم، الرباط المقدس* اور اشعب ہیں۔ انہوں نے سیاست پر بھی بعض کتابیں لکھیں جیسا کہ ان کی کتاب "عودۃ الوعی" اور "مصر بین عہدین" ہے۔ اپنی ذاتی زندگی پر انہوں نے "سجن العمر" اور زھرۃ العمر" کے نام سے دو کتابیں لکھی ہیں۔ فکر اسلامی پر ان کی دو کتابوں میں *التعادلیۃ، التعادلیۃ مع الاسلام، انی اللہ، تحت شمس الفکر* اور *الاحادیث الاربعۃ* کے نام سے ہیں۔ ان کتب پر بعض علماء نے دینی اعتبار سے نقد کی ہے اور ان کے عقائد کو فاسد اور خلاف اسلام قرار دیا ہے۔ انہوں نے "مختار تفسیر القرطبی" کے نام سے تفسیر قرطبی کی ایک تلخیص بھی کی ہے۔[28] قرآن وحدیث کی بجائے بائبل کی عبارات سے معلومات اخذ کرتے تھے۔ قدیم مصری، فرعونی، قبطی تہذیب و فکر سے متاثر تھے۔ عقیدہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ اللہ تعالی سے تخیلاتی مکالمہ کی اشاعت۔ جنت میں داخلے کے لئے کلمہ شہادت کا اقرار ضروری نہیں ہے۔ آخرت میں اللہ کی رؤیت کے منکر تھے۔ مذہب کی ابتدا کا سبب انسانی خوف ہے۔ سماوی ادیان کے اتفاق واتحاد کے قائل تھے۔[29]

خلاصہ بحث

قرآن مجید کی جس طرز پر متجددانہ تعبیر کی بنیاد عالم عرب میں مفتی محمد عبدہ نے رکھی تھی، برصغیر میں اس طرز کی متجددانہ تفسیر قرآن مجید کے بانی سر سید احمد خان (1817ء-1898ء) ہیں۔ اہل مغرب اور مستشرقین سے تاثر کے نقطہ نظر سے سر سید عبدہ سے بہت آگے ہیں۔ انہوں نے قرآنی بیانات کو جدید تصوٗرات سے ہم آہنگ کرنے کے لئے متفقہ علیہ تفسیری اصولوں کو با

---

[27] زبیر، تحریک تجدد اور متجددین، 48۔

[28] زبیر، تحریک تجدد اور متجددین، 49۔

[29] زبیر، تحریک تجدد اور متجددین، 53۔

لکل نظر انداز کر دیا۔ ان کی "تفسیر القرآن" میں بقول سید عبد اللہ 1906ء-1986ء)، روایات سے بغاوت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی نظر آتی ہے، انہوں نے ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کی مطابقت کا اصول پیش کیا اور پھر قرآن میں کسی معجزے یا خوارق کے تذکرے کے روایتی تصور کو یکسر مسترد کر دیا۔ ان کے نزدیک قرآن اور دیگر کتبِ سماوی میں معجزات کا جو ذکر ہے، وہ تمثیلی و استعاراتی یا افسانوی رنگ لیے ہوئے ہے۔ ڈاکٹر ٹرول (Christain W. Troll، پیدائش 1937ء) کے مطابق سر سید کو انکارِ معجزات کی راہ دکھانے میں معجزاتی عناصر پر ولیم میور کی تنقید نے نمایاں حصہ لیا۔ میور کی تقلید میں سر سید اس بات کے قائل ہوگئے کہ حضور کی پیدائش سے متعلق بیان کیے جانے والے معجزات سب شاعرانہ تخلیق ہیں۔ سر سید نے سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کی تفسیر میں حضور کے معراجِ جسمانی سے متعلق تمام احادیث کو ناقابلِ اعتبار اور ان کے بیان کو خلافِ قانونِ قدرت قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ: "واقعات خلاف قانون فطرت کے وقوع کا ثبوت اگر گواہان روایت بھی گواہی دیں تو محالات سے ہے۔" اور اس کے بعد تفصیلی بحث کر کے معراجِ رسول ﷺ کو خواب میں پیش آنے والا رویا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ صرف ایک مثال ہے، ورنہ وہ قرآن میں کہیں بھی معجزہ مذکور ماننے سے انکاری ہیں[30]۔ اس سلسلے میں بنی اسرائیل کے عبورِ دریا اور موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے دیگر معجزات کی بھی انھوں نے عجیب و غریب اور دور از کار تاویلات کی ہیں۔ اسی سر سید کے سید کے نزدیک نبوت ایک فطری چیز ہے۔ خدا اور پیغمبر میں بجز ملکہ اس ملکہ نبوت کے جس کو ناموسِ اکبر یا جبریلِ اعظم کہا جاتا ہے۔، کوئی ایلچی یا پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔ جس طرح تمام ملکاتِ انسانی کسی محرک کے پیش نظر اپنا کام کرتے ہیں، اسی طرح ملکۂ نبوت بھی کسی مخصوص امر کے پیش نظر فعال ہو جاتا ہے۔ وہ جس طرح جبرئیل کو ملکۂ نبوت کہَ کر اس کے خارجی وجود سے انکار کرتے ہیں، ایسے ہی تمام ملائکہ، شیطان اور جنات کا بھی خارجی وجود تسلیم نہیں کرتے۔ تخلیق و ہبوطِ آدم سے متعلق آیات کو ڈارونی ارتقائیت سے ہم آہنگ کرنے کے لیے آدم کے شخصی وجود سے انکار کرتے ہوئے بڑے زور دار الفاظ میں کہا: آدم کے لفظ سے وہ ذاتِ خاص مراد نہیں جس کو عوام اور مسجد کا ملا باوا آدم کہتے ہیں، بلکہ اس سے مراد نوع انسانی ہے۔ سر سید حدیث، اجماع اور قیاس وغیرہ کو اصولِ دین میں شامل نہیں سمجھتے۔ بر صغیر میں سر سید احمد خان سے آگے چل کر یہی انداز دیگر لوگوں جن میں سر فہرست مولوی چراغ علی، ممتاز علی، سید امیر علی، محمد علی لاہوری قادیانی، عبد اللہ چکڑالوی، نیاز فتح پوری، غلام احمد پرویز نے بھی اپنایا ہے۔ اس طرح سے بر صغیر اور پاکستان میں متجددانہ رجحانات زیادہ وسیع پیمانے پر سامنے آنے لگے[31]

---

[30] منج، فکر استشراقا اور عالم اسلام میں اس کا اثر و نفوذ، 29۔

[31] منج، فکر استشراق اور عالم اسلام میں اس کا اثر و نفوذ، 248۔